73

کارکنان جماعت سے خطاب

(فرمودہ ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۲۲ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

میں آج ایک ایسے مضمون کی طرف جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں جس کے متعلق ایک سال یا کچھ کم و بیش عرصہ ہوا انہی دنوں میں توجہ دلائی تھی۔ میری غرض دوبارہ اس مضمون کو چھیڑنے سے یہ نہیں کہ کسی سے اس بات کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ بلکہ اس سے یہ غرض ہے کہ جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ میں بیان کیا تھا۔ پسندیدہ عمل وہی ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے۔ پس میری غرض اس مضمون کو بیان کرنے سے یہ ہے کہ احباب کو توجہ دلاؤں کہ وہ اس مضمون کو دیر ہوجانے کی وجہ سے بھول نہ جائیں بلکہ یاد رکھیں کیونکہ وہ مضمون ایسا ہے جس کو اپنے سب معاملات میں مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اور اس کی خلاف ورزی دینی حالت اور دنیاوی حالت اور روحانیت کے لئے خطرناک ہے۔

غالبًا انہی ایام میں پچھلے سال میں نے اس مضمون کے خطبات پڑھے تھے کہ جو لوگ یہاں ہجرت کرکے اس لئے آئے ہیں کہ دین کی خدمت کریں وہ یہاں بطور ملازم کے نہیں ہیں کیونکہ دین میں کبھی ملازم نہیں رکھے گئے۔ دین کے کام ہمیشہ اصحاب سے ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو واعظ تھے۔ قرآن کریم میں ان کا نام حواری رکھا گیا ہے۔ا۔ جس کے معنی ہیں اصحاب۔ حواری دھوبی کو بھی کہتے ہیں۔ جو کپڑوں کو دھوکر ان کی میل دور کرتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کے جو حواری تھے وہ دلوں کو دھوتے تھےوہ ملازم نہ تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حالات زمانہ کے ماتحت ہمیں مقررہ تنخواہیں دینی پڑتی ہیں۔ کیونکہ جو معیشت کی پہلے سہولت تھی اور جو معیشت کے سامان پہلے تھے وہ اب نہیں۔ گزشتہ زمانہ میں معیشت کا انحصار چیزوں پر تھا۔ مگر اب روپیہ پر ہے۔ پہلے زمانہ میں نہ روپیہ زیادہ تھا۔ اور نہ روپیہ پر اس قدر کام چلتے تھے۔ بلکہ غلہ پر چلتے تھے۔ اس زمانہ میں روپیہ کا استعمال کم ہوتا تھا۔ اس وجہ سے لوگوں کی رہائش کا طریق اقتصادی طور پر تھا۔ کیونکہ جب روپیہ سے کام نہ چلانا ہو تو ضروریات کم

ہو نگی۔ اگر روپیہ نہ ہو تو کام کرنے والا اتنا کام کرے گا جتنے کی اس کو ضرورت ہوگی۔ اب لوگوں میں روپیہ کا چلن زیادہ ہے۔ اس لئے عیاش جتنا چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔ پس چونکہ معیشت کا طریق بدلا ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ مقررہ رقمیں دی جائیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے دین کی خدمت کے لئے زندگی وقف کی ہوتی ہے۔ انہیں بھی ضروریات ہوتی ہیں۔ اور اس قسم کی ضروریات سے جب نبی بھی باہر نہیں ہوتے تو یہ کیسے باہر ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ رقوم جو ان کو دی جاتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ کے طور پر ملتی ہیں۔ 7

صحابہ کرام کو بھی انعام ملے۔ ان کو ملک۔ دولت ملی۔ جنگ میں جو کچھ ہاتھ آتا تھا وہ انہی کا ہوتا تھا۔ اور بعض دفعہ جنگوں میں جو کچھ ملتا تھا وہ ان کی ضروریات سے سینکڑوں گنے زیادہ ہوتا تھا۔ ہاں بعض اوقات کچھ بھی نہ ملتا تھا۔ لیکن ان کے کام ملازمت کے کام نہ تھے۔ اگر ان کو کچھ بھی نہ ملتا تو وہ شکایت نہ کرتے تھے کہ ہمیں کیوں نہیں ملا۔ یہی حال جب تک ہمارے کارکنوں کا نہ ہو اس وقت تک ہمارے کام میں برکت نہیں ہو سکتی۔ نہ ان کے کام میں برکت ہوگی نہ سلسلہ کو ترقی اور اس کے کاموں میں برکت ہوگی۔ بلکہ الٹا سلسلہ کو نقصان ہوگا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت کی مالی حالت کمزور ہے۔ لیکن جس قدر لوگ چندہ دیتے ہیں وہ اپنی پوری طاقت سے دیتے ہیں۔ ہاں کچھ ایسے بھی ہیں جو چندہ میں ست ہیں۔ لیکن جس قدر دینے والے ہیں وہ چندے میں کمی نہیں کرتے۔ اس لئے ان پر اور زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگر ہم کام کے معاوضہ میں روپیہ دینا بھی چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ نہ ہمارے پاس اس قدر روپیہ ہے نہ اس قسم کا کام بابرکت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دین کی خدمت کا اگر روپیہ پر ہی انحصار ہو تو پھر احمدی مبلغوں ہی کی کیا شرط ہے ایسے لوگ ہندوؤں اور عیسائیوں میں سے بھی نکل سکتے ہیں جو روپیہ لیکر وہی دلائل بیان کر سکتے ہیں جو ایک احمدی بیان کرتا ہے۔

اس وقت عیسائی مشنری جو دنیا میں کام کر رہے ہیں ان کی تعداد ساٹھ ہزار ہے۔ مگر ان میں بیسیوں ایسے ہیں جو موجودہ عیسائیت کے قائل نہیں ہیں۔ باوجود اس کے بحث اسی جوش سے کرتے ہیں۔ جس طرح ایک ماننے والا کیا کرتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو روپیہ ملتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے ایک عیسائی کی بحث ہوئی۔ اس نے تثلیث سے انکار کر دیا آپ نے اس کو کہا کہ تم تو روز عیسائیت کی تائید میں تقریر کرتے ہو۔ پھر یہ انکار کیا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ میں نہیں بولتا بلکہ میری تنخواہ بولا کرتی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ہمارے ہاں لوگوں کو عیسائیت سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے تین طریق پر وعظ ہوتے ہیں۔ ایک عام اخلاقی وعظ دوسرے توحید کے متعلق، تیسرے تثلیث وغیرہ کے متعلق۔ میں نے یہ التزام کیا ہوا ہے کہ یا تو اخلاقی وعظ کہتا ہوں یا

توحید کے متعلق اور یہ موقعہ ہی نہیں آنے دیتا کہ مجھے تثلیث کے متعلق وعظ کرنا پڑے لیکن ان کو اس کا علم نہیں کہ میں خصوصیت سے اس طرح کرتا ہوں۔ تو ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔

پس اگر ہمارے ہاں بھی روپیہ کا سوال ہو تو احمدیت کی تبلیغ کرنے والے ہر ایک مذہب سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہندو' عیسائی سب ہی مذاہب کے لوگ مل سکتے ہیں۔ لیکن اسطرح جب وہ بولیں گے تو دراصل وہ نہیں بولیں گے بلکہ وہ روپیہ بولے گا جو ان کو ملتا ہوگا۔ مگر اس میں برکت نہ ہوگی۔

اس میں شبہ نہیں کہ عیسائی کہلانے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ لیکن جب سے بادشاہتیں اس میں شامل ہوئیں اور روپیہ اس پر خرچ ہونے لگا اس وقت سے عیسائیت گھٹتی گئی ہے۔ آج حضرت عیسیٰ کی تعلیم پر چلنے والا ایک بھی عیسائی نظر نہیں آتا۔ کیا شیر کی کھال میں اگر بھس بھر کر رکھ دیا جائے تو وہ شیر بن جاتا ہے ہرگز نہیں۔ اسی طرح گو پچاس کروڑ عیسائی دنیا میں آباد ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم پر چلنے والا چونکہ ایک بھی نہیں اس لئے عیسائیت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اگر سچے عیسائی اس کے خادم ہوتے تو عیسائیت کی یہ حالت نہ ہوتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ اسلام کی طرف منتقل ہو جاتی۔ پس اگر ہم چاہیں اور روپیہ ہو تو بہت سے آدمی مل سکتے ہیں لیکن جس مذہب کی وہ تبلیغ کریں گے وہ احمدیت نہیں ہوگی بلکہ وہ کچھ اور ہی مذہب ہوگا۔

پس ہمارے کارکن سمجھ لیں کہ وہ ملازم اور نوکر نہیں ہیں۔ اگر دنیاوی امور میں مخالفین سے نقصان اٹھا کر بھی وہ نوکر ہی رہے۔ تو پھر اس سے بڑھ کر ان کے لئے کیا نقصان ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو اعلیٰ مقام پر لے جانا چاہتے ہیں اور وہ صحابیت کا مقام ہے۔ پس اس مقام کو چھوڑ کر ملازمت کا مقام اختیار کرنا صریح نقصان ہے۔ ملازم کے مقام سے بڑھ کر صحابی کے مقام پر آنے کا موقع حضرت مسیح موعود کے ذریعہ آیا ہے۔ جس سے انسان کو خدا کی عبودیت کا مقام مل جاتا ہے۔ اس لئے احباب کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں پیار سے خطاب کیا گیا ہے۔ وہاں عبداللہ ۲۔ ہی کے لفظ سے مخاطب کیا ہے۔ اس لئے عبداللہ کا مقام بڑا مقام ہے۔ اور اگر انسان کی غلامی سے نکل کر عبداللہ کا مقام حاصل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے کام کرنے والوں کا نام کارکن رکھ دیا ہے۔ اور یہ سال پہلے سالوں کی نسبت زیادہ اطمینان سے گذرا ہے۔

ملازم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مجھے یہ بھی ملے اور وہ بھی ملے لیکن صحابی سمجھتے ہیں ہمیں جو کچھ ملتا ہے ہمیں تو اس کا بھی حق نہیں۔ ان کا دل غنی ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ کسی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے۔ لیکن وہ لوگ جنہیں مال کی محبت ہوتی ہے انہیں وہ ہلاکت کی طرف لے جاتی

ہے مال سے محبت کرنے والے مال کے ضائع ہونے پر خود کشیاں کر لیتے ہیں۔ مگر جن کو مال سے محبت نہیں ہوتی ان کا مال اگر ضائع بھی ہو جائے تو وہ اس کے غم میں اپنی جان نہیں کھوتے۔ اور پھر محنت شروع کر دیتے ہیں۔ مال کی محبت میں جان دینے والے مال کو خدا سمجھتے ہیں اور صحابی ہونے والے مال کو خدا نہیں بناتے۔ بات یہ ہے کہ انسان قناعت سے غنی ہوتا ہے۔ نہ کہ مال سے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض دن فاقہ ہوتا تھا۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی بے اطمینانی پیدا ہوئی۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے زندہ رہنے کو اپنا مقصد نہیں بنایا ہوا تھا۔ اور آپ سمجھتے تھے کہ بھوک سے مرجائیں گے تو خدا ہی کے پاس جائیں گے۔

پس تم لوگ بھی اپنے دلوں میں خلوص پیدا کرو اور دل کی قناعت حاصل کرو۔ میں نے پچھلے سال کہا تھا کہ جو ملازم ہو کے رہنا چاہتا ہے وہ چلا جائے۔ یہ بھی ایک قسم کی ناراضگی تھی لیکن اب میں یہ نہیں کہوں گا پچھلے سال مجھے ایسا کہنے کا حق تھا۔ مگر اس سال حق نہیں۔ کیونکہ اس سال جماعت نے عمل کرکے دکھا دیا ہے کہ وہ ملازم نہیں صحابی بننا چاہتی ہے۔ اور اس وقت جو اس بات کو دوہرا رہا ہوں تو اس کی غرض یہ ہے کہ اس سبق کو بھول نہ جانا۔

درحقیقت جب انسان اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خود سامان کر دیتا ہے حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ امانت سے خرچ کرنے والے نہ ہوں۔ پس ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ ہمیشہ صحابیت کا رنگ دکھانے والے ہوں۔ اور ایسے ہوں کہ دین کی خدمت میں ان کو جو کچھ بھی ملے وہ اس کو شکر گزاری سے لیں۔

میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ مال نہ کھائیں۔ وہ اپنے دنیاوی کام کریں لیکن ناجائز طور پر دنیا جمع کرنے کی فکر نہ کریں۔ دنیاوی امور میں دوسروں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ اور ہر ایک معاملہ میں رحم اور حسن سلوک کو مد نظر رکھیں۔ اور دین کے معاملہ میں کبھی زیادہ اور کم کا سوال نہ کریں۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے غریب کارکنوں میں بھی اس بات کا احساس پیدا ہو چلا ہے۔ ایک لطیفہ ہے اور لطیفے دینی معاملات میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح لطائف بنا کرتے ہیں۔ لنگر میں ایک ان پڑھ سا معمولی گزارہ کا آدمی ہے جس کو ۸۔۱۰ یا ۱۲ روپیہ ماہوار ملتے ہیں۔ اس کا میرے پاس رقعہ آیا کہ میں چندہ میں اپنی ایک ماہ کی تنخواہ دینے لگا تھا۔ مجھے ایک شخص نے نصیحت کی ہے کہ میں نہ دوں۔ کیونکہ مجھ پر واجب نہیں۔ کیا ایسا مشورہ دینے والے کا یہ حق ہے یا نہیں۔ اس آدمی کے متعلق لطیفہ یہ ہے جو ایک خوش کن بات بھی ہے۔ کہ وہ باہر سے آیا۔ اور اس نے دیکھا کہ لنگر کے

افسر دفتر کے دروازے بند کر کے اندر کمیٹی کر رہے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ جلسہ قریب ہے چندہ کے لئے پوچھ رہے ہوں گے اس نے جھٹ ایک رقعہ لکھا اور طاق کے سوراخ میں سے اندر ڈال دیا کہ ایک مہینہ کی تنخواہ میں بھی چندہ میں دیتا ہوں لیکن واقعہ یہ تھا کہ افسر لنگر خانہ اس وقت ایک کارکن کی غلطی کی تحقیقات کر رہے تھے۔ اس نے خیال کیا کہ مجھے غریب سمجھ کر اندر نہیں بلایا گیا میں کہیں پیچھے نہ رہ جاؤں۔ لیکن یہ کس قدر دل کو خوش کرنے والی اور یقین اور ایمان کی بات ہے مگر یہ ایک لطیفہ ہے۔ اور اس میں ایک نکتہ بھی ہے کہ جب انسان خدا کو مقدم کر لیتا ہے تو پھر وہ اس کے راستہ میں خرچ کرنے سے گھبراتا نہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو۔

تو صحابہ تجارت بھی کرتے تھے۔ اور زراعت بھی کرتے تھے۔ لیکن دین ان کو مقدم تھا۔ اور دین کے کام میں کبھی سوال نہیں کرتے تھے۔ اور دنیا ان کو دین کے کام سے روک نہیں سکتی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ان کو تجارت یا کوئی کام کرنا نہیں آتا تھا۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے ایک دفعہ کئی ہزار اونٹ خریدے جب وہ ہزاروں اونٹوں کا ایک وقت میں سودا کر سکتے تھے۔ تو اس سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے پاس لاکھوں ہی روپیہ ہونگے۔ چنانچہ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے گھر میں کئی کروڑ روپیہ تھا۔۳۔ وہ اونٹ انہوں نے تجارت کے لئے خریدے تھے اور فوراً ہی بک گئے۔ اور سودا اسی طرح ہوا کہ جس قیمت پر انہوں نے خریدے تھے اسی پر بیچ دئے۔ مگر عقال کے بغیر کسی نے کہا۔ آپ کو کیا نفع رہا ہے انہوں نے کہا اتنے ہزار عقال جتنے ہزار اونٹ ہیں نفع میں آئے کیونکہ میں نے سودا مع عقال (اونٹ باندھنے کی رسی) کیا تھا اور بیچے بغیر عقال کے ہیں اور اسی طرح ان کو کھڑے کھڑے نفع ہو گیا۔ یہ سودا کئی لاکھ کا تھا۔ اور آج کل بھی اتنا بڑا سودا بہت بڑا سودا سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ ان کی تجارت کا حال تھا۔ باوجود اس کے وہ دین میں تجارت نہ کرتے تھے بلکہ جو کام کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے۔ وہ دنیاوی امور میں بھی انصاف اور عدل کو نہ چھوڑتے تھے۔ دو صحابیوں کا حال میں نے تو کسی کتاب میں پڑھا نہیں حضرت صاحب بیان فرمایا کرتے تھے کہ ان میں اس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ ایک اپنا گھوڑا مثلاً تین ہزار درہم پر بیچتے تھے اور جو خریدنا چاہتے تھے کہتے تھے نہیں یہ گھوڑا پانچ ہزار کا ہے۔ وہ اس قدر قیمت دینے پر مصر تھے۔ لیکن آج کل تو لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر دیکھیں خریدار اتنی زیادہ رقم دیتا ہے تو وہ فوراً کہدیں کہ لو سودا پختہ ہو گیا۔ اصل میں بیچنے والا واقف نہ تھا اور خریدار واقف تھا۔ اس لئے وہ اس کی کم قیمت نہ دینا چاہتا تھا اور بیچنے والا اس کی زیادہ قیمت لینا دھوکہ خیال کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ مجھ پر احسان کرنا چاہتا ہے غرض یہ حالت انکی دنیاوی امور میں تھی۔ پھر وہ دین میں سودا کب جائز رکھ سکتے تھے۔

پس میں جماعت کے لوگوں کو سال گذرنے پر نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس سبق کو یاد رکھیں۔

اور دین میں سودا نہ کریں۔ ورنہ وہ دین کو خراب کرلیں گے۔ ہماری جماعت کے چھوٹے بڑے سمجھ لیں کہ وہ یہاں نوکری کے لئے نہیں آئے۔ بلکہ وہ اس لئے آئے ہیں کہ خدا خوش ہو جائے۔ پس خدا سے دین کے معاملہ میں سودے مت کرو۔ خدا تو صرف ایک ہی سودا کرتا ہے کہ جان و مال لیتا ہے اور جنت دیتا ہے پس خدا یہی سودا کرتا ہے۔ اور یہی سودا اس نے ہم سے کیا ہے۔ جب یہ سودا ہو چکا تو پھر نئے سودے کے کیا معنی؟ یہ درمیانی مشکلات ہیں۔ انشاء اللہ دور ہو جائیں گی۔ لیکن ہمارے کارکنوں کے مدنظر یہ کبھی نہیں ہونا چاہیئے کہ ان مشکلات کے رفع ہونے پر ہماری تنخواہیں بڑھ جائیں گی۔ تم کو خدا دوست کے مقام پر کھڑا کرتا ہے اور جس کو دوست کا مقام میسر ہو وہ ملازم کا مقام لینا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اموال کی ترقی اس غرض سے مدنظر نہ ہو کہ ہماری تنخواہ بڑھ جائے گی۔ بلکہ اس لئے کہ جب ہمارے پاس زیادہ روپیہ ہو گا تو ہم اپنے تبلیغی مشن اور ممالک میں بھی کھولیں گے۔ جاپان میں' فرانس میں' جرمنی اور روس میں اور دیگر ممالک میں' ہاں ہر شخص آسودگی کے لئے اور کام بھی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے اصل کام میں حرج نہ ہو۔ اور افسران کی اجازت ہو۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اسی کہ خوشی ہمارے مدنظر ہو۔ اور دنیا کی امتعہ ہمارے مدنظر نہ ہوں۔ ہمیں وہی انعام مدنظر ہوں جو **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** میں بیان کئے گئے ہیں۔

جب دوسرے خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا۔ جمعہ کے دن ہمارے پاس خطوط آجاتے ہیں۔ جن میں جنازوں کی درخواست ہوتی ہے۔ میں نے ایک مدت کے غور کے بعد سمجھا ہے کہ کہیں آئندہ اس کے متعلق یہی خیال نہ ہو جائے کہ جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ پڑھنا بھی سنت ہے۔ جنازہ غائب پڑھنا جائز ہے مگر جبکہ رسم کے طور پر نہ ہو۔ حضرت صاحب کے زمانہ میں باہر فوت ہونے والوں کے جنازہ کے متعلق یہاں لکھنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اس وقت باہر جماعتیں اس قدر پھیلی ہوئی نہ تھیں۔ اور اکے دکے احمدی تھے۔ اس لئے جب کوئی فوت ہوتا تھا تو اس کے جنازہ کے لئے لکھا جاتا تھا۔ مگر اب وہ ضرورت ختم ہو گئی ہے۔ اور عموماً" ہر ایک احمدی مرنے والے کو اپنے مرتبہ کے مطابق جنازہ پڑھنے والے احمدی میسر آجاتے ہیں۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ اس رسم کو مٹایا جاوے بعض لوگ اخبار میں لکھوا دیتے ہیں لیکن اگر یہی طریق رہا تو ایک نیا مذہب بن جائے گا۔ اب میرا ارادہ ہے کہ دو قسم کے باہر فوت ہونے والوں کے جنازے پڑھے جایا کریں۔ ایک ایسا شخص جو باہر فوت ہوا ہو اور اس کا اور کوئی احمدی جنازہ پڑھنے والا نہ ہو۔ دوسرا وہ شخص جو جماعت کا اتنا محسن ہو کہ اس کے احسانات کی وجہ سے جماعت پر فرض ہو کہ اس کا جنازہ پڑھے۔

یہاں لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کس کا جنازہ غائب پڑھا جا رہا ہے اور بعض دفعہ مجھ کو بھی پتہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بھی خیال ہے کہ ایسی حالت میں دعا کرنے کے لئے کیسے تحریک پیدا ہوتی ہوگی اور وہ کیا کہہ کر اور کس کے لئے دعا مانگتے ہونگے۔ میں نے کچھ عرصہ سے یہ التزام کیا تھا کہ ہر جمعہ نماز جنازہ نہیں پڑھاتا تھا۔ وقفہ ڈال کر پڑھتا تھا لیکن آئندہ جس شخص کے متعلق جنازہ پڑھا جائے گا۔ اس کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ پہلے اعلان کر دیا کروں گا۔ کہ فلاں شخص کا جنازہ ہے تاکہ اس کے لئے دعا کرنے کی سب کے دل میں تحریک پیدا ہو۔ یوں جنازہ کو رسم نہیں بنانا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک شخص کے لئے لکھا جائے جو شخص دین کا ایسا خادم ہے۔ کہ اس نے بہت خدمت کی ہے اس کا حق ہے کہ اس کا سب جنازہ پڑھیں۔ ایسے شخص کا اخبار میں بھی ذکر ہو جایا کرے۔ تاکہ لوگ اس کا جنازہ پڑھا کریں۔ ورنہ اس کے رسم بننے کا اندیشہ ہے۔ آج بھی ایک جنازہ ہے اور وہ سیلون کے ایک طالب علم کی والدہ ہے۔ جو یہاں پڑھ رہا ہے۔ فی الواقعہ اس کی ماں کی یہ کتنی بڑی خدمت دین ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو دین سیکھنے کے لئے اپنے سے علیحدہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ سیلون ایک بڑا جزیرہ ہے۔ وہاں منتشر طور پر سو ڈیڑھ سو آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت ان پر وہی حالات گذر رہے ہیں۔ جو ہم پر گذر چکے ہیں۔ نئے لوگ ہیں اس لئے اس علاقہ کے لوگ حق دار ہیں کہ ان میں سے فوت ہونے والے کا جنازہ پڑھا جائے۔

ممبر سے اترتے ہوئے فرمایا اسی طرح سید حکیم جن کو احمدیت کی وجہ سے کابل میں قید کیا گیا تھا۔ اور وہ قید ہی میں فوت ہو گئے ان کا بھی ساتھ ہی جنازہ پڑھوں گا۔

(الفضل ۶ ر نومبر ۱۹۲۲ء)

❁ ❁ ❁

۱۔ الصف ۱۵

۲۔ سورہ بنی اسرائیل

۳۔ اصابہ جلد ۴ و سیرالصحابہ جلد اول ص ۱۳۰